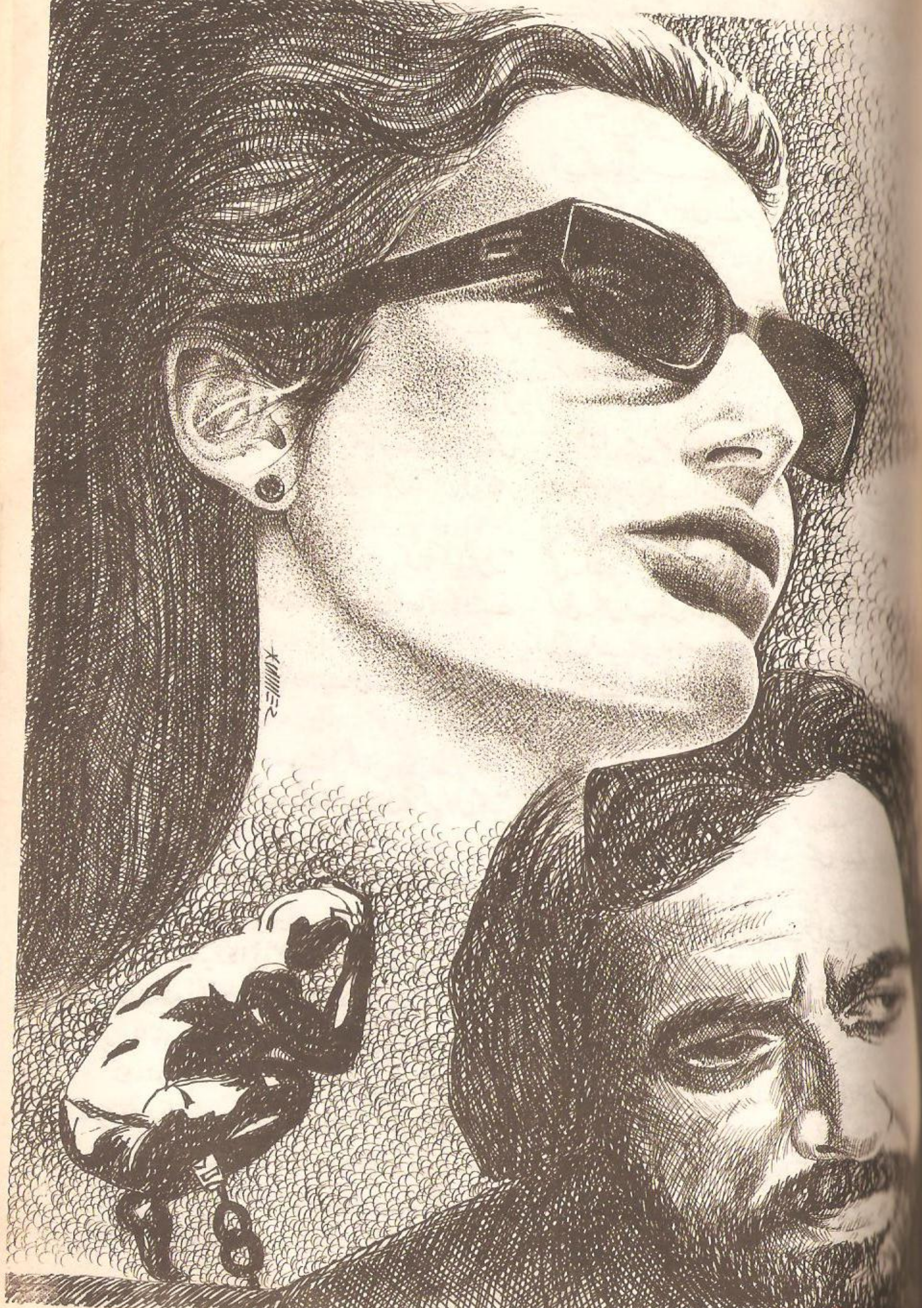

میں، محبت اور عید

حنا ملک

اگر وفا پہ بھروسہ رہے نہ دنیا کو
تو کوئی شخص محبت کا حوصلہ نہ کرے

محبت، محبت کیا ہے؟ یہ سوال اکثر میرے ذہن میں آیا کرتا تھا اور میں یہ کہہ کر سر جھٹک دیا کرتی تھی کہ ''محبت محض وقت کا زیاں ہے۔'' مگر رفتہ رفتہ محبت کے بارے میں میری یہ رائے بدلتی گئی اور محبت خوشنما رنگوں سے سجی تتلی کی طرح پر پھیلائے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اپنے ہونے کا احساس دلایا۔ یہ پوری کائنات محبت ہی کے دم سے قائم ہے۔ اس دنیا میں اگر محبت کا وجود ناپید ہوجائے تو انسان گاجر مولی کی طرح ایک دوسرے کو کاٹنے لگیں۔ محبت کی نہیں جاتی، محبت ہوجاتی ہے، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی جگہ، کسی موڑ پر، کسی بھی وقت محبت اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے کہ دیکھو یہ میں ہی ہوں جس کے دم سے یہ دنیا قائم ہے۔ جس کے بل بوتے پر نظامِ زندگی بنار کے رواں دواں ہے۔

محبت کے بارے میں میرے خیالات میں تبدیلی ایک شخص کی وجہ سے آئی اور وہ تھے سلمان حیدر، ان کی ہی بدولت مجھے محبت سے آشنائی ہوئی۔ یہ انہی کی شخصیت کا اعجاز تھا کہ میرے دل میں محبت نے نمو پائی تھی۔ اس

محبت کا احساس مجھے اس وقت ہوا' جب میں انٹر پارٹ ون میں تھی۔

''امی! پلیز، جلدی سے کھانا دے دیں۔ بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔'' میں نے کالج سے گھر پہنچتے ہی ہانک لگائی۔

''آ گئی میری گڑیا۔'' امی نے حسبِ معمول میری پیشانی پر بوسہ دیا۔

''امی اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔ کالج گرل ہوں۔'' امی کے گڑیا کہنے پر میں ٹھنک کر کہتی تو امی ہنس دیتیں۔

''تم چاہے پچاس برس کی بھی ہوجاؤ' میرے لئے رہوگی وہی گڑیا کی گڑیا۔'' امی کی یہ محبت میری ساری تھکن اتار لیتی تھی۔

''میں کپڑے تبدیل کرتی ہوں۔ آپ کھانا لگایئے۔'' جب میں کپڑے بدل کر آئی تو سامنے ہی وہ دشمنِ جان بیٹھا تھا۔ انہوں نے آنکھیں موندی ہوئی تھیں اور سر صوفے کی پشت پر ٹکا تھا۔ میں بے اختیار انہیں دیکھے گئی۔ بلیک جینز اور لائٹ پنک کلر کی شرٹ میں

وہ بے حد وجیہہ لگ رہے تھے۔ کافی کلر کے بال تھوڑے تھوڑے سے بے ترتیب ہو کر پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ان کی کھڑی ناک نے ان کے چہرے کو ایک مغرورانہ ٹچ دے دیا تھا۔

''ارے ماہا! سلمان کہاں گیا؟'' امی کی آواز پر میں چونکی۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

''وہ......وہ پتہ نہیں۔'' میں گڑبڑا گئی۔ مجھے اب شرمندگی ہو رہی تھی۔ پتا نہیں سلمان بھائی میرے اس طرح دیکھنے پر کیا سوچتے ہوں گے۔

''جاؤ دیکھو، وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔ اسے کہو آ کر کھانا کھالے۔'' امی کے کہنے پر ناچار مجھے جانا پڑا۔ میں نے دھیرے سے دروازہ ناک کیا۔ ''یس۔'' ان کی گمبھیر آواز سنائی دی۔

''سلمان بھائی! امی کہہ رہی ہیں کھانا کھالیں۔'' جانے کیوں ان کے سامنے الفاظ زبان کا ساتھ چھوڑنے لگتے تھے۔

''بھوک نہیں ہے۔'' وہ ایسے ہی نپے تلے انداز میں بات کیا کرتے تھے۔

''مگر وہ، امی۔''

''آپ پلیز جایئے، مجھے بھوک ہوگی تو کھالوں گا۔''

ان کے دوٹوک انداز پر میں باہر آ گئی۔

''امی! وہ کہتے ہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' میں نے منہ بنایا۔

''جانے یہ لڑکا اپنی صحت کے معاملے میں اتنا لاپروا کیوں ہے۔'' امی بڑبڑانے لگیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد عموماً میں برتن دھو دیا کرتی تھی۔ ہمارا شمار اچھے خاصے خوشحال گھرانوں میں ہوتا تھا۔ ہم بیک وقت دو دو نوکر افورڈ کر سکتے تھے مگر امی کو گھر کے کاموں کے لئے ملازمہ رکھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لئے گھر کے کام امی اور میں مل کر کرتے تھے۔ اس وقت بھی میں برتن دھو رہی تھی، جب سلمان بھائی وہاں سے گزرے۔ میں بے اختیار انہیں پکار بیٹھی۔

''سلمان بھائی!'' انہوں نے بے اختیار ... دیکھا تھا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' اس وقت میں ... آپ کو دنیا کی سب سے بڑی احمق محسوس کر رہی تھی۔

''کیوں؟'' انہوں نے سرد سے لہجے میں کہا۔

''اگر امی پوچھیں تو؟''

''انہیں پوچھنا ہوگا تو مجھ سے خود پوچھ لیں گی۔'' ... کہہ کر چلے گئے۔ اف! ان کی آنکھوں کی تختی نے ... کرر کھ دیا تھا۔

○○○

اسکول میں، ہم پانچ لڑکیوں کا گروپ تھا۔ میں، ... فضہ، ضویا اور ناجیہ۔ رابعہ کی تو میٹرک کرنے کے ... ہی شادی ہو گئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ وہ بے چاری ... تھی۔ فضہ میٹرک تک تو ساتھ رہی پھر لاہور ... کر گئی۔ بس اب میں، ناجیہ اور ضویا رہ گئے تھے۔ ... اچانک فضہ، ناجیہ اور ضویا چلی آئیں۔

''ارے فضہ کی بچی! میں کہیں خواب تو ... رہی۔'' مجھے بے پناہ خوشی ہوئی تھی، اس ... کی۔ ''کب آئی لاہور سے؟''

''پرسوں آئی تھی۔''

''اور میرے پاس اب آئی ہو۔'' میں ... شکوہ کیا۔

''سوری، دراصل پھوپو کی طبیعت خراب تھی ... دیکھنے آئی ہوں۔''

''محترمہ اب منگنی شدہ بھی ہو چکی ہیں۔'' ... اطلاع دی۔

''کیا؟'' میں گویا اچھل پڑی۔ ''منگنی کر لی اور ... اکیلے اکیلے۔''

''کیا مطلب اکیلے اکیلے۔ کیا تمہیں بھی ... تھی؟'' فضہ شرارت سے بولی۔ اسی لمحے سلمان ... اوپر سے اترے اور بنا ادھر ادھر دیکھے بغیر باہر چلے ...

''کون تھے یہ موصوف؟'' فضہ نے پوچھا۔

''سلمان بھائی ہیں، میرے کزن۔''

''اوئے ہوئے 'سلمان بھائی۔'' انہوں نے جان بوجھ کر ''بھائی'' کو لمبا کھینچا۔

''بکواس نہیں کرو۔'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی ... گئی۔

''ویسے غضب کی پرسنالٹی ہے تمہارے سلمان بھائی کی۔'' ضویا نے کہا۔ ''لگتا ہے، موصوف کو کلف کی بالٹی سے نکالا گیا ہے۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''نہیں تو۔ بس وہ ذرا ریزرو رہتے ہیں۔'' میں نے ... کی۔

''بائی دی وے۔ یہ کزن صاحب یہاں کیا کر رہے ہیں؟ تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔'' ناجیہ نے کہا۔

''میں کیا سارے میں اعلان کرتی پھرتی کہ میرے ... ایک عدد کزن صاحب تشریف فرما ہیں۔''

''فرسٹ کزن ہیں؟''

''ہاں، خالہ کے بیٹے ہیں۔ اپنا بزنس سیٹ کر رہے ہیں۔ آج کل اسی سلسلے میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔''

''چلو بھئی تمہاری بوریت بھی دور ہوئی۔ تم جو ہر دم بور ... کا شکوہ کرتی رہتی تھیں۔'' ضویا نے کہا۔

''سلمان بھائی کوئی جوکر نہیں ہیں جو ہر دم مجھے ... رہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بھئی، یہ بات تو ماننے کی ہے۔ تمہارے سلمان ... کل سے ہی اتنے مغرور اور سڑیل سے لگتے ... ملاقات کہاں ہو پاتی ہوگی۔'' فضہ نے کہا تو ناجیہ اور ... بھی تائید کی۔

''نہیں تو...... وہ ایسے تو نہیں ہیں۔'' میں نے ان کا ...

''تم کیوں اتنی سائیڈ لے رہی ہو ان کی؟'' ناجیہ ... شرارت سے کہا۔

''چھوڑو بھئی، تم لوگ مجھ سے ملنے آئی ہو یا میرے ... پر تبصرے کرنے۔'' میں نے جان چھڑائی اور واقعی ان تینوں نے ٹاپک بدل دیا۔ ان تینوں کے جانے کے بعد میں لاشعوری طور پر سلمان بھائی کو سوچنے لگی تھی۔ وہ مجھے شروع سے ہی بہت اچھے لگتے تھے۔ میں جب پانچ چھ برس کی تھی تب اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے کے بجائے سلمان بھائی کے اردگرد رہنے کو ترجیح دیتی تھی۔ وہ اس وقت چودہ پندرہ برس کے تھے۔ ان کا مزاج شروع سے ہی ایسا لیا دیا رہنے والا تھا۔ وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے بالکل مختلف تھے۔ مزاج میں سنجیدگی اور بردباری کا عنصر نمایاں تھا۔ ان کی اس حد تک سنجیدگی کی وجہ شاید ان کے والد کی ڈیتھ تھی۔ اس سانحے نے انہیں بہت کم گو اور خلوت پسند بنا دیا تھا۔ مجھے ان کا یہی سنجیدہ سا انداز تو پسند تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کی طرح ''اوچھے'' نہیں تھے۔ مجھے ان کی پرسنالٹی میں زبردست قسم کی کشش محسوس ہوتی تھی۔ ان کے نقوش تیکھے تھے۔ بالخصوص آنکھوں میں عجیب سی سختی اور اشتعال کا رنگ واضح نظر آتا تھا، جبکہ یونانی ناک چہرے کے مجموعی تاثر کو مزید سنجیدہ اور بردبار بناتی تھی۔ میں عمر کے اس حصے میں تھی، جب ہر خوبصورت اور حسین چیز کو حاصل کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ اب یہ سلمان بھائی کی چارمنگ پرسنالٹی کا جادو تھا یا میری فرینڈز کی باتوں کا اثر کہ میں سلمان حیدر کو سوچنے لگی تھی۔

اس روز میں کالج سے گھر پہنچی تو گھر میں عجیب سناٹا سا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چوکیدار موجود تھا۔ امی بھی گھر پر موجود نہیں تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد سلمان بھائی آ گئے۔ وہ کافی جلدی میں تھے۔ مجھے ان کا انداز وحشت میں مبتلا کر رہا تھا۔

''امی کہاں گئی ہیں؟'' میں نے چوکیدار سے دریافت کیا۔

''بی بی تو ہسپتال گئی ہیں۔''

''کک......کیوں؟'' میں ہکلا گئی۔ برے برے وسوسوں نے مجھے گھیر لیا۔

''صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''وہاٹ؟'' میں تقریباً چلائی تھی اور پھر دوڑ کر اندر کی

طرف گئی تھی۔ سلمان بھائی اپنے کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔ میں بری طرح ان سے ٹکرائی تھی۔

''وہ سلمان بھائی......ابو......'' میں رونے لگی تھی۔

''جسٹ ریلیکس!'' انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''مم......میں......وہ......'' میں بولنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کا گولہ سا حلق میں اٹکنے لگا تھا۔ میں بے اختیار ان کے شانے سے لگ کر سسکنے لگی تھی۔ وہ بے چارے اس افتاد پر گھبرا گئے۔

''ماہا! ڈونٹ وری۔ زیادہ خطرے کی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے مجھے خود سے الگ کیا۔

''مم......مجھے ہاسپٹل لے چلئے۔''

''اوکے، مگر ان کے سامنے اپنے آنسوؤں پر کنٹرول رکھئے گا۔'' ان کے کہنے پر میں سر ہلاتی ان کے ساتھ ہولی۔ چوٹیں زیادہ شدید نہیں تھیں۔ ابو ایک ہفتہ ہاسپٹل میں گزارنے کے بعد گھر شفٹ ہوگئے۔ سلمان بھائی نے ابو کے مکمل صحت یاب ہونے تک اپنے بزنس کے ساتھ ساتھ ابو کا آفس بھی سنبھالے رکھا۔ ان پر ایک ساتھ دو دو ذمے داریاں آن پڑی تھیں۔ اس لئے عموماً رات کو دیر سے ہی گھر آتے تھے۔ امی روزانہ ان کا انتظار کرتی تھیں، جب تک کہ وہ آ نہ جاتے۔

اس روز امی کے سر میں درد تھا۔

''ماہا بیٹا! سلمان آجائے تو اسے کھانا گرم کرکے دے دینا۔ میں سونے جارہی ہوں۔''

''جی امی۔'' میں نے سعادت مندی سے کہا اور پھر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے ہی ان کا انتظار کرنے لگی تھی۔ گھڑی پونے بارہ بجارہی تھی، میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہورہی تھیں۔ میں وہیں ٹیبل پر سر رکھے رکھے سوگئی۔ اچانک کھٹر پٹر کی آواز پر میری آنکھ کھلی۔ سامنے ہی سلمان بھائی کھڑے تھے۔ شاید کھانا گرم کررہے تھے۔

''اوہ، سلمان بھائی! آپ آگئے۔'' میں اچانک بیوقوفوں کی طرح بول اٹھی۔ سلمان بھائی نے ایک سی نظر مجھ پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

''لایئے، میں گرم کردیتی ہوں۔''

''نو، تھینکس۔'' وہی بیگانگی بھرا انداز۔

''لایئے نا، میں کردیتی ہوں۔'' میں نے ان کے ہاتھ سے فرائی پین لینا چاہا۔

''میں نے کہا ناں کہ ضرورت نہیں ہے، آپ جا کر سوجایئے۔'' ان کے حتمی لہجے پر میں چپ چاپ ہٹ گئی۔ ذرا سی ''سی'' کی آواز کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ شاید گرم فرائی پین پکڑتے ہوئے ان کا ہاتھ جل گیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا میں کردیتی ہوں۔ دیکھیں سارا ہاتھ جل گیا ہے۔ میں برنال......''

''اٹس اوکے۔'' میں ان کا ہاتھ بے اختیار تھام کر کہنے لگی تھی، جب انہوں نے بڑی سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے میری بات کاٹی اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ مجھے افسوس ہوا کہ وہ بنا کچھ کھائے چلے گئے تھے۔

OOO

اس روز موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان پر سیاہ گھنگھور گھٹا چھائی تھی۔ گرمی کے دنوں میں جسم سے، جب لطیف سی سرد ہوا ٹکراتی تو بہت خوشگوار احساسات جنم لیتے ہیں۔ میں نے فون کرکے ناجیہ اور ضویا کو بلالیا۔ ابو کافی دنوں کے بعد آج اپنے آفس گئے تھے۔ سلمان بھائی کا مجھے علم نہیں تھا کہ آیا وہ گھر پر تھے یا باہر۔ ویسے بھی ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ وہ سارا وقت اپنے کمرے میں گزارتے تھے۔ امی موسم کی مناسبت سے پکوڑے وغیرہ تل رہی تھیں۔ تھوڑی سی دیر میں ہلکی ہلکی پھوار شروع ہوگئی۔ ہم تینوں شور مچاتے ہوئے بارش میں بھیگنے لگے۔ بارش زیادہ تیز ہوئی تو امی نے بلالیا۔ چینج کرنے کے بعد ہم لاؤنج میں آگئے۔ ناجیہ اپنے گھر سے کوئی مووی لائی تھی۔ ہم پکوڑوں اور انار دانے کی چٹنی سے انصاف کرنے کے ساتھ ساتھ مووی سے بھی لطف اندوز ہورہے تھے۔

...ی شروع میں تو کافی بہتر تھی مگر ہمیں اندازہ نہ تھا کہ ...گے چل کر اتنی واہیات ہوجائے گی۔ انگلش موویز تو ہم ...کھتے رہتے تھے مگر اس قسم کی مووی دیکھنے کا اتفاق پہلی ...ہوا تھا۔ میرے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ پیشانی ...آلود ہوگئی۔

''پلیز ناجیہ، یہ بند کردو، ایک دم ہوپ لیس پکچر ہے ...تم کب سے یہ بکواس چیزیں دیکھنے لگی ہو؟'' میں نے ...کہا۔

''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اتنی گھٹیا اور چیپ مووی ...ہوگی۔'' ناجیہ نے بند کرتے ہوئے کہا۔ میں نے یونہی ...گھما کر دیکھا تو دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ لاؤنج کی ...گلاس وال کے پار کھڑے سلمان بھائی بک ریک میں ...سے کوئی کتاب تلاش کررہے تھے۔ میرا تو کاٹو تو لہو نہیں ...والا حال ہورہا تھا۔ 'چلو بھر پانی میں ڈوب مرو، اور زمین ...پھٹے اور سما جاؤ' جیسے محاورے یاد آنے لگے۔ میں بہت ...شرمندگی محسوس کررہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا ...کہ جانے وہ میرے اور میری فرینڈز کے بارے میں کیا ...سوچتے ہوں گے۔ اگرچہ وہ ہماری طرف متوجہ نہ تھے ...مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے وہ بکواس چیز نوٹ نہ ...کی ہو۔ دو دن تو مارے شرمندگی کے میں ان کے سامنے ...ہی نہ جاسکی۔ تیسرے دن میرا ان سے آمنا سامنا کھانے ...کی میز پر ہوا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود تھے۔ میں چپ چاپ سر جھکائے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔ سلمان بھائی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

''سلمان! بیٹا کچھ وقت اپنے آپ کو بھی دے دیا کرو۔ بزنس کو تو سر پر سوار کررکھا ہے۔ کام کام اور بس کام کا مقولہ قائداعظم نے صرف تمہارے لئے تو نہیں کہا تھا۔'' ابو نے کہا۔

''ہاں تو اور کیا۔'' امی نے بات شروع کی، تمہاری عمر کے لڑکے تو بزنس وغیرہ کے قریب بھی نہیں بھٹکتے، آؤٹنگ، موویز، اسپورٹس وغیرہ سے فرصت ہی نہیں ملتی نہیں۔''

''خالہ، دراصل مجھے فضول قسم کی موویز دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' سلمان بھائی کا کہنا تھا کہ مجھے اچھو لگ گیا۔ صاف لگ رہا تھا کہ مجھے سنا رہے ہیں۔ میں فوراً کھانے سے ہاتھ روک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے ماہا! کہاں جارہی ہو؟'' امی نے پوچھا۔

''امی بس بھوک نہیں ہے مجھے۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے میں آکر دم لیا۔ (اف! کیسے ان ڈائریکٹ طنز کر جاتے ہیں سلمان بھائی) میں محض سوچ کر رہ گئی۔

OOO

فون کی بیل کافی دیر سے ہورہی تھی۔

''ہیلو۔'' میں نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ناجیہ تھی۔

''کیا کررہی تھیں؟''

''ایسے ہی بیٹھی تھی۔''

''اچھا سنو، پرسوں زوہیب آرہا ہے۔''

''کیا، زوہیب؟'' میں پرجوش انداز میں اونچا بولنے لگی تھی۔

''ہاں، کل رات کو اس کا فون آیا تھا۔''

''میں ملنے آؤں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ ضویا سے پوچھ کر ڈیسائڈ کرلو کہاں ملنا ہے۔''

''ملنے کے لئے کوئی اچھی سی جگہ ہونی چاہئے۔ آخر کو اتنی اہم شخصیت ہے۔''

''اوکے، پھر مجھے بتادینا تم لوگ۔''

''اوکے، سویٹ ہارٹ۔'' میں نے بڑی خوشی کے عالم میں فون بند کیا۔ زوہیب ناجیہ کا کزن تھا اور ماسکو پڑھنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ تھے۔ مجھے زوہیب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ میں فون رکھ کے مڑی تو سلمان بھائی کو موجود پایا۔ وہ جانے کب وہاں آئے تھے۔ انہوں نے بڑی عجیب سی گھورتی ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی۔ میں انہیں نظر انداز کرکے

آگے بڑھ گئی۔
دوسرے دن میں نے ضوبا کو فون کر کے زوہیب کی آمد کے بارے میں بتایا۔
''ضوبا، زبردست نیوز ہے۔''
''وہ کیا؟''
''زوہیب آرہا ہے۔''
''کب؟''
''کل آرہا ہے۔ اس سے ملنے جانا ہے۔ میں نے ناجیہ سے کہہ دیا ہے۔''
''ٹھیک ہے۔'' پھر ہم دونوں نے مل کر ملنے کی جگہ ڈیسائیڈ کی۔ دو دن بعد ہم زوہیب سے ملے، اچھا خاصا ڈیسنٹ اور گڈ لکنگ تھا، ناجیہ تو بے حد خوش تھی۔

OOO

چند دنوں بعد سلمان بھائی اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گئے۔ ان کا بزنس مکمل طور پر سیٹ ہو چکا تھا۔ وہ پچھلے چند دنوں سے اپنے لئے گھر تلاش کر رہے تھے اور اب گھر مل جانے پر اپنے گھر شفٹ ہو رہے تھے۔ امی اور ابو نے تو بہت روکا مگر انہوں نے ہر بار مسکرا کر ٹال دیا۔ وہ بات ہی اس طرح کرتے تھے کہ دوسرا خود بخود مان جاتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد مجھے یوں لگتا تھا' جیسے گھر کی رونق ہی ختم ہو گئی ہو۔ اگرچہ وہ بہت کم گو تھے، بے تکلفی تو دور کی بات، وہ تو مجھ سے بات بھی بہت کم کرتے تھے۔ مگر مجھے پھر بھی اداسی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے تھے مگر اب ان کے جانے کے بعد یوں لگتا تھا' جیسے گھر کے در و دیوار پر سناٹوں اور وحشتوں کا راج ہو گیا ہو۔ لاشعوری طور پر مجھے ان کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ گھر میں دل لگتا تھا' نہ کالج میں۔ انہی دنوں مجھ پر ادراک ہوا کہ میں ان سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میرے دل میں ان کے لئے جو احساسات تھے، ان کو محبت کا نام دیا تھا۔ اس روز بھی میں کالج میں پیریڈ اٹینڈ کر کے اداس سی بیٹھی تھی' جب ضوبا نے مجھے ٹوکا۔
''اے، تمہیں کیا ہوا ہے؟''
''سمجھا کرو ناں، وہ اسٹون مین جو گھر سے چلا گیا ہے۔'' ناجیہ نے شرارت سے کہا تو میں یوں چونکی جیسے دل کا چور پکڑا گیا ہو۔
''بکو مت۔'' میں خفت مٹانے کو بولی۔
''ارے واہ۔ ان کا ذکر سنتے ہی بلش ہو گئی ہو۔'' ضوبا نے کہا۔
''مجھے بھی معلوم ہے' یہ آئے روز بہاولپور کے چکر کیوں لگ رہے ہیں۔'' میں نے توپوں کا رخ ضوبا کی طرف موڑ دیا۔
''بدتمیز، میں تو اپنی کزن کی شادی میں گئی تھی۔'' ضوبا جھینپ گئی۔
''کیا ہر مہینے تمہاری کزن کی شادی ہوتی ہے۔'' ناجیہ نے کہا۔
''اچھا یہ بتاؤ' اسد بھائی نے کیا کہا؟'' میں نے اسے چھیڑا۔
''انہیں کیا کہنا تھا، تم لوگ تو بس ایسے ہی......''
''یہ چھپا رہی ہے ہم سے۔'' ناجیہ نے کہا۔
''تم تو چپ ہی رہو۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ زوہیب آج کل کس سلسلے میں آیا ہوا ہے۔'' ضوبا نے ناجیہ کو چھیڑا۔ ہم تینوں ٹین ایجرز ہی تو تھیں۔ ایک دوسرے کو کزنز کے نام لے لے کر چھیڑا کرتی تھیں۔
کالج سے واپسی پر ابو مجھے سلمان بھائی کے گھر لے گئے۔ میں پہلی بار ان کے گھر جا رہی تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ لاؤنج، ڈرائنگ روم، لونگ روم، کہیں کسی ذی روح کا نام ونشان نہ تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سلمان حیدر جیسا بندہ اتنے بھرے پرے گھر کو کھلا چھوڑ کر کیسے کہیں جا سکتا ہے۔ میں نے ایسے ہی ایک کمرے کا دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔
''ابو......'' میں نے گھبرا کر چیخ ماری۔ سامنے بیڈ پر سلمان بھائی بے سدھ پڑے تھے۔ ابو فوراً دوڑ کر آئے۔ سلمان شدید بخار میں پھنک رہے تھے۔
''ماہا، بیٹا' تم یہیں رہو۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا

ہوں۔'' ابو کے جانے کے بعد میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر رونا آ گیا۔ جانے کب سے وہ بیمار تھے۔ مجھے غصہ آنے لگا کہ ہم لوگوں نے بھی پلٹ کر ان کی خیریت دریافت نہ کی۔ ان کا چہرہ بخار کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ ہر وقت قہر برساتی ہوئی آنکھیں نیم وا تھیں۔ ان کے کافی کلر کے بال بے ترتیب سے ہو کر پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ میں ان کے بال خود اپنی انگلیوں سے سنوار دوں۔ میں نے ہاتھ بڑھایا مگر پھر کھینچ لیا۔ اردگرد نظر دوڑائی تو ہر طرف بے ترتیبی سی نظر آئی۔ میں نے اٹھ کر کمرے کی حالت درست کی۔ کپڑوں اور جوتوں وغیرہ کو ترتیب سے رکھا۔ اس سارے عرصے میں سلمان بھائی نے محض ایک بار پانی مانگا، جو میں نے انہیں پلا دیا۔ ان کو شاید بہت شدید بخار تھا، اس لئے اپنے اردگرد کا ہوش نہ تھا۔ میں یہ سب کام کر کے فارغ ہوئی تھی کہ ابو، امی کو اور ڈاکٹر کو لے کر آ گئے۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد چند دوائیں لکھ کر دیں اور انہیں سکون کا انجیکشن لگا دیا۔ انہیں ٹائیفائڈ ہو گیا تھا۔ امی سلمان بھائی کے پاس ہی رہ گئیں۔ میں ابو کے ساتھ گھر آ گئی۔ دوسرے دن میں پریشانی کی وجہ سے کالج بھی نہ جا سکی۔ میں نے جتنی دعائیں سلمان بھائی کی صحت یابی کے لئے کی تھیں، شاید پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں کی تھیں۔ شام میں' میں بھی ابو کے ہمراہ سلمان بھائی کو دیکھنے چلی گئی۔ وہ گرے کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس، بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ تازہ شیو کی نیلاہٹ چہرے کو خاصا فریش ظاہر کر رہی تھی۔
''السلام علیکم'' انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ کر ابو کو سلام کیا۔ میں امی کے پاس کچن میں چلی آئی۔
''امی! آپ جائیں' میں لے آؤں گی۔'' میں نے امی کو بھیجا اور خود جوس گلاسوں میں ڈالنے لگی۔ امی اور ابو کو جوس دینے کے بعد سلمان بھائی کی طرف جوس کا گلاس بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔
''لے لو بیٹا، تمہیں ویسے بھی انرجی کی ضرورت ہے۔''
ابو کی بات تو وہ ٹال ہی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے گلاس تھام لیا۔ ایک لمحے کو ان کا ہاتھ میرے ہاتھ سے مس ہوا۔ میرے اندر سنسنی سی دوڑ گئی۔ مگر سلمان بھائی کے چہرے پر بڑے ناگوار سے تاثرات تھے۔ میں پیچھے ہٹ گئی۔
سلمان بھائی کے صحت یاب ہونے تک امی ان کے پاس ہی رہیں۔ میں البتہ اس روز کے بعد وہاں نہیں گئی تھی۔

OOO

رحیم یار خان سے خالہ اور عاصمہ بھابی وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ خالہ تو مجھے دیکھتے ہی نثار ہونے لگیں۔ وہ تو ویسے بھی مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ کھانے کے بعد میں عاصمہ بھابی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔
''بھابی! آپ سارا دن گھر میں بور نہیں ہوتیں؟'' باتوں باتوں میں میں نے ان سے کہا۔
''ارے کہاں، امی کے ساتھ لگی رہتی ہوں۔ پھر جواد بھی تو چین نہیں لینے دیتا۔'' انہوں نے اپنے دو سالہ بیٹے کا ذکر کیا۔
''بھابی! آپ سلمان بھائی کی شادی کروا دیں اب۔'' جانے کیوں اور کیسے میرے منہ سے پھسل گیا۔
''وہ مانے تب ناں۔ اس لڑکے کے تو کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ امی نے کہا، عمران نے سمجھایا، میں نے کہا مگر وہ نوابزادے تو شادی کا نام سنتے ہی بدکنے لگتے ہیں۔ موصوف کا خیال ہے کہ ان کے بزنس کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔''
''بھابی! عمران بھائی کیوں نہیں آئے؟'' میں نے ٹاپک بدل دیا۔ عمران بھائی بہت سویٹ تھے۔ سلمان بھائی جتنے آدم بیزار اور اکھڑ مزاج سے تھے، عمران بھائی اتنے ہی شوخ اور چلبلے تھے۔ خالہ کی کل کائنات یہی دونوں بیٹے ہی تو تھے۔ ہمارا خاندان بڑا مختصر سا ہے۔ ابو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ اسی طرح امی اور خالہ بھی دو ہی بہنیں تھیں، کوئی اور بھائی بہن نہ تھا۔ مزید

برآں، میں بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔

''انہیں کسی ضروری کام کے سلسلے میں کوئٹہ جانا تھا، وہ کوئٹہ چلے گئے اور ہم یہاں کراچی آ گئے۔''

شام کو خالہ اور بھابی سلمان بھائی کے گھر جانے لگیں تو خالہ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔ گیٹ انہوں نے ہی کھولا تھا۔

''چاچو۔'' جواد نے توتلی سی زبان میں کہا۔

''ارے چاچو کی جان!'' سلمان بھائی اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگے۔ میں نے شاید پہلی بار انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''ماہا! سلمان کو ذرا یہ شرٹ دے آؤ۔ میں کچن دیکھتی ہوں جا کر۔ چائے کا پانی چڑھا رکھا ہے۔'' صبح خالہ، نے مجھ سے کہا۔ جب سے مجھ پر آگہی کے در وا ہوئے تھے، میں سلمان بھائی سے جھجکنے لگی تھی۔ بوکھلاہٹ میں بنا دستک دیئے اندر داخل ہوگئی۔ سلمان بھائی آفس جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ بلیک پینٹ پر بنا شرٹ کے، شانوں پر تولیہ ڈالے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔

''وہ...... وہ یہ شرٹ......'' میں بوکھلا گئی۔ انہوں نے شرٹ تھام لی۔

''کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے قبل اجازت لی جاتی ہے۔'' باہر نکلنے لگی تو ان کی سخت آواز کانوں سے ٹکرائی۔ میں بمشکل اپنے آنسوؤں کو پیتے ہوئے باہر نکل آئی۔

شام میں ناجیہ کا فون آ گیا۔ وہ زوہیب کے حوالے سے بات کر رہی تھی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ زوہیب کی امی ناجیہ کا رشتہ اپنے بڑے بیٹے سے کرنا چاہ رہی تھیں، جبکہ ناجیہ زوہیب کو چاہتی تھی۔

''ڈونٹ وری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اچھا سنو، تمہیں یہاں کا نمبر کیسے ملا؟'' میں حیران تھی کہ اسے سلمان بھائی کے گھر کا نمبر کہاں سے مل گیا تھا۔

''تمہاری امی سے لیا ہے۔''

''اچھا دیکھو، آئندہ یہاں فون نہ کرنا' اوکے با... میں فون بند کر چکی تھی۔ میرے وہم وگمان میں بھی ... کہ سلمان بھائی برابر والے کمرے میں موجود ہیں۔

OOO

''سلمان! آخر کس بات کی دیر ہے۔ ماشاء... اٹھائیس برس کے ہونے والے ہو۔ تمہارے ساتھ ... لڑکے تو دو دو بچوں کے باپ بنے بیٹھے ہیں۔'' خالہ ... کہا۔ میں لاشعوری طور پر رک کر ان کی گفتگو سننے لگی۔

''امی پلیز، میرے پاس ان فضولیات کے لئے ... نہیں ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ شادی کرنا تو سنت ہے۔ ... کام تھوڑا ہی ہے۔''

''امی! میرے بزنس کو میری زیادہ ضرورت ہے ... آنے والی کو زیادہ وقت نہیں دے پاؤں گا۔'' وہ جھلا ...

''اے رہنے دو، شادی ہو جائے گی تو خود ... بھی نکل آئے گا۔ اچھا یہ بتاؤ' کوئی لڑکی وڑکی ... تمہیں؟'' خالہ کے کہنے پر جانے کیوں میرے ... دھڑکن تیز ہوگئی۔

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''بس ٹائم ہی نہیں ملا۔''

''لو حد ہوگئی تم تو ایسے کہہ رہے ہو' جیسے کھانا کھا... ٹائم نہیں ملا۔'' خالہ نے لتاڑا۔ ''اچھا یہ بتاؤ' ماہا ... ہے؟'' میرے ہاتھ پسینے میں بھیگ گئے۔

''کیا ہوا اسے؟''

''کچھ نہیں ہوا، میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی ... سے ہو جائے۔''

''وہاٹ! وہ چھوٹی سی بچی۔'' ان کے ... میں کلس کر رہ گئی۔

''بچی تو نہیں ہے' خیر سے بارہویں میں پڑھتی ...

''امی! وہ مجھ سے نو دس سال چھوٹی ہے اور میں ... ہمیشہ اسے چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے۔''

''لڑکیاں ہمیشہ چھوٹی ہی اچھی لگتی ہیں۔ میں بھی تو تمہارے ابو سے بارہ برس چھوٹی تھی اور رہی یہ بات کہ تم اسے بہن کی نظر سے دیکھتے ہو تو بیٹا شادی سے پہلے سب کزنز بہن بھائی ہی ہوتے ہیں۔ اسلام میں تو منہ بولے بھائی سے بھی شادی جائز ہے۔ تم تو پھر خالہ زاد بھائی ہو۔''

''امی! مجھے نہیں کرنی ماہا سے شادی۔'' ان کے دوٹوک انداز پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میں کوشش کے باوجود بھی خود پر کنٹرول نہ کر پائی۔ خالہ باہر آئیں تو مجھے زوروشور سے روتا دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

''ارے ماہا! کیا ہوا چندا؟''

''خالہ! مجھے گھر جانا ہے۔''

''کسی نے کچھ کہہ دیا بیٹا۔''

''نن...... نہیں' بس وہ مجھے کالج کا کام کرنا ہے۔''

''تو شام کو چلی جانا۔ سلمان چھوڑ آئے گا تمہیں۔'' خالہ نے کہا مگر مجھے جانے کیوں ضد سی ہوگئی تھی۔ میں نے اسی وقت گھر جانے کی ضد شروع کر دی۔ خالہ بیچاری پریشان ہوگئیں۔

''سلمان! ماہا کو گھر چھوڑ آؤ۔''

''امی' اس وقت دوپہر کے دو بجے ہیں، باہر کڑکتی دھوپ ہے۔''

''بیٹا پتا نہیں کیا بات ہے، بچی بیچاری پریشان ہو رہی ہے۔ تم چھوڑ آؤ ناں' کالج کا کوئی کام کرنا ہے اسے۔''

''تو پھر وہ آئی کیوں تھی۔ میں نہیں جا رہا ابھی۔ اسے کہیں آرام سے بیٹھے۔ شام کو چھوڑ آؤں گا۔'' ان کی یہ بات جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔ میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور کسی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔ چلچلاتی دھوپ، سنسان سڑک اور پھر آنسوؤں کا ایک ریلا سا تھا جو بہے جا رہا تھا۔ میں غصے میں آ کر باہر نکل تو آئی تھی مگر ... ہونے لگا کہ خالہ کو بھی بتائے بغیر آ گئی۔ میں ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی جھلس رہی تھی جب بلیک سوک ایک ... سے قریب آ کر رکی تھی۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے زہرخند انداز میں گھورتے ہوئے فرنٹ ڈور کھولا۔

''مم...... میں چلی جاؤں گی۔'' میں نے تھوڑا نخرہ دکھانا چاہا۔

''محترمہ، میں آپ کا ملازم نہیں ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کڑکڑتی دوپہر میں خوار ہونے کا۔'' ان کے الفاظ سماعتوں میں زہر انڈیلنے لگے۔ میں ڈرتے ڈرتے بیٹھ گئی۔ وہ اتنی رش ڈرائیونگ کر رہے تھے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں حادثہ نہ ہو جائے۔ میں آیات کا ورد کرتی رہی۔ انہوں نے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو میں شکر پڑھتے ہوئے اتر گئی۔ میرے اترتے ہی وہ گاڑی زن سے بھگا لے گئے۔ میں سلگ کر رہ گئی۔ اس دن میں سارا دن روتی رہی تھی۔ محبت میں ناکامی کا احساس ہی روح میں چھید کر دینے کو کافی تھا۔ جب آپ کسی کو پورے خلوص سے چاہتے ہوں مگر جواب میں بیزاری اور ناگواری ملے تو دل کی جو حالت ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ دل تو شیشے سے بھی زیادہ نازک ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس پہنچنے سے چکناچور ہو جاتا ہے۔ اتنی کرچیاں بکھرتی ہیں کہ انہیں سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کرچیوں کو سمیٹتے سمیٹتے ہی ہاتھ فگار ہو جاتے ہیں۔ یہ احساس روح پر تازیانے کی طرح لگتا ہے کہ جسے آپ اتنی شدتوں سے چاہتے ہیں، اسے آپ کی رتی بھر پروا نہیں۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ محبت کی راہ سے زیادہ سہانی اور ظالم کوئی راہ نہیں۔ میرے دل کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ مجھ پر آج کھلا تھا کہ خالی پن کیا ہوتا ہے۔ سب کچھ ہونا اور کچھ بھی نہ ہونا کسے کہتے ہیں۔ محبت کس قدر بڑا حوالہ ہوتا ہے، کتنی بڑی حقیقت ہے، مجھ پر آج کھلا تھا کہ میں آج تک اس سے خالی رہی ہوں۔ جانے کب یہ محبت شبنم کے قطرے کی طرح میرے دل پر گری تھی اور کب یہ قطرہ الاؤ بن کر دہک اٹھا تھا۔ اور آج جیسے ایک انوکھا بھید مجھ پر آشکار ہوا تھا اور مجھ پر یہ کھلا تھا کہ میں صدیوں کا سفر طے کر آئی تھی مگر پھر بھی تہی داماں تھی۔

OOO

مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کیسے ہوا؟ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ مجھے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ سرخ زرتار شرارے میں، میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ناجیہ اور ضویا تو یہی کہہ رہی تھیں مگر مجھے اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ میں کیسی لگ رہی تھی یا میرا ڈریس کیسا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ آخر سلمان حیدر کیسے مان گئے تھے۔ ان کے گھر سے آنے کے دو دن بعد ہی خالہ پروپوزل لے کر آ گئی تھیں۔ انہوں نے سلمان کو کس طرح راضی کیا تھا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ خالہ رحیم یار خان جانے سے پہلے ان کا گھر بسانا چاہتی تھیں۔ ایک ماہ کے اندر اندر سب تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ شادی سے پندرہ دن پہلے صرف ایک بار سلمان گھر آئے تھے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ میں گھر پر اکیلی تھی۔ امی خالہ کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھیں۔ ابو آفس میں تھے۔ دروازہ کھلا پا کر وہ اندر ہی چلے آئے تھے۔ میں لاؤنج میں قالین پر الٹی لیٹی تھی۔ ٹانگیں ہوا میں جھلا رہی تھی۔ میگزین میرے سامنے دھرا تھا۔ ساتھ چپس سے بھی شغل فرما رہی تھی۔ انہیں اس طرح اچانک سامنے دیکھ کر میں بوکھلا گئی۔

''آ...... آپ......؟'' میں فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ سامنے صوفے پر دھرا تھا۔ لپک کر اٹھایا۔ سلمان میری طرف متوجہ نہ تھے یا قصداً گریز برت رہے تھے۔

''خالو ہیں گھر پر؟''

''جی...... وہ...... السلام علیکم۔'' میں شاید اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ہونق لگ رہی تھی۔ کہنا کچھ چاہا منہ سے کچھ نکل گیا۔

''وعلیکم السلام۔ خالو ہیں؟'' وہ بیزار بیزار سے تھے۔

''جی، جی ہاں...... جی نہیں۔''

''سوچ کر جواب دیجئے۔'' وہ جھلا گئے۔

''وہ نہیں ہیں۔'' میں نے اچھل پچھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالا۔

''آئیں تو میرا بتا دیجئے گا۔'' انہوں نے شاید پہلی بار مجھ پر نظریں جما کر بات کی تھی۔ میری نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

''آپ بیٹھیں۔ میں چائے......''

''نو تھینکس۔'' انہوں نے سرعت سے میری بات کاٹی۔ ''اور سنیں، اگر آپ گھر پر تنہا ہیں تو دروازہ بند کر کے بیٹھیں۔ شہر کے حالات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔'' مجھے پہلی بار ان کے لہجے سے اپنائیت کا احساس ہوا تھا جس سے دل کو تھوڑی ڈھارس ملی تھی ورنہ میں تو شروع کے دنوں میں انکار کا ارادہ کئے بیٹھی تھی۔ مگر ہائے رے یہ مجبوریاں جو سدا سے مشرقی لڑکیوں کے پیروں کی زنجیر بنی ہوئی ہیں۔ ماں اور خالہ کی خوشی اور باپ کا مان نہ توڑ سکی میں۔ ورنہ اتنی انا تو مجھ میں بھی تھی کہ ان کے ٹھکرانے پر انکار کر دیتی۔ شادی کی پوری تقریب میں سلمان بہت سنجیدہ سنجیدہ سے تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہی خیال ستاتا رہا کہ خالہ نے ان کے ساتھ زبردستی کی ہے۔ لاکھ وہ سنجیدہ اور کم گو سہی مگر کوئی بھی شخص کم از کم اپنی شادی پر اتنا خاموش اور سنجیدہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے آج ان کی وہی سنجیدگی زہر لگ رہی تھی جو پہلے اچھی لگا کرتی تھی۔ ناجیہ، ضویا اور فضہ نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی مگر ان کی سرد مہری پر وہ بھی پیچھے ہٹ گئیں۔

بے شمار رسومات کے بعد مجھے حجلہ عروسی میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے بیٹھے بیٹھے خاصی دیر ہو گئی تھی مگر سلمان کا کہیں پتا نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے میری کمر اکڑنے لگی تھی۔ گھڑی صبح کے پونے چار بجا رہی تھی۔ مجھے بھاری لباس اور زیورات سے الجھن ہونے لگی۔ چار پھر ساڑھے چار... اب سلمان کا انتظار فضول لگ رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر لباس تبدیل کیا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر ایک لمحے کو میں بھی ٹھٹک گئی تھی۔ میں خطرناک حد تک حسین لگ رہی تھی۔ اپنی خوبصورتی کا ادراک مجھے پہلی بار ہوا تھا۔ (ناحق بیوٹیشن نے اتنی محبت کی) میں نے میک اپ صاف کرتے ہوئے سوچا۔ بستر پر لیٹتے ہوئے مجھے عجیب وہم ستا رہے تھے۔ جانے سلمان کہاں ہوں گے...

حقائق جب کسی صحافی کے قلم سے لکھے جاتے ہیں تو تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں

اخباری کالم اپنے وقت کے عکاس ہی نہیں معاشرے کی حقیقی تاریخ پر بھی محیط ہوتے ہیں۔ کثیر الاشاعت روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ پر شائع ہونے والی واقعاتی، معاشرتی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی تاریخ۔

جون ۱۹۹۷ء سے اگست ۲۰۰۰ء

اشفاق احمد، اے حمید، عبدالقادر حسن، منو بھائی، ارشاد احمد حقانی، شوکت صدیقی
جمیل جالبی، سجاد بخاری، مجیب الرحمٰن شامی اور دیگر اہلِ قلم کی آرا سے آراستہ

مُشتاق احمد قریشی

قیمت: ایک سو پچاس روپے

منگوانے کا پتہ

نئے اُفق گروپ آف پبلیکیشنز، احمد چیمبر ڈاکٹر ملموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

مکتبہ القریش، اردو بازار، لاہور

کہیں کوئی حادثہ...... نہیں نہیں ایسا تو تصور کرنا بھی محال تھا میرے لئے۔ انہی سوچوں میں گھری میں جانے کب نیند کی وادیوں میں کھوگئی۔ آنکھ کھلی تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ دیکھ کر میرے اندر بجلی سی دوڑ گئی کہ سلمان میرے قریب ہی سوئے ہوئے تھے۔ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ سانس لینا دشوار لگنے لگا۔ اپنی زندگی کے اہم ترین دن کے نقصان کا احساس ہوتے ہی میری آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ میں بہت آہستگی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی۔ احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ میں کتنی دیر سوئی رہی تھی۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ سلمان کب آئے، کیسے آئے، میں بالکل بے خبر تھی۔ واش روم سے باہر نکلی تو سلمان جاگ رہے تھے۔ میں نے قصداً ان کی طرف دیکھنے اور بات کرنے سے گریز برتا۔

''صبح بخیر۔'' انہوں نے خود پہل کی۔ میں منہ پھلائے بال سلجھانے لگی۔ انہوں نے مزید کچھ نہ کہا اور واش روم میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد عاصمہ بھابی، خالہ اور دیگر کزنز وغیرہ آگئیں۔ عاصمہ بھابی مجھے تیار کرنے کے ساتھ ساتھ شریری سرگوشیاں اور معنی خیز اشارے کررہی تھیں (گویا عاصمہ بھابی اور خالہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ ان کے ہونہار سپوت رات بھر غائب رہے ہیں)

''ذرا دکھاؤ تو سلمان بھائی نے رونمائی میں کیا دیا۔'' ایک شریری کزن نے شوخی سے کہا۔ میں نے بے اختیار لاتعلق بیٹھے سلمان پر نظر ڈالی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا جواب دوں۔ دل تو کررہا تھا صاف کہہ دوں کچھ نہیں دیا۔ مگر جانے میں کیوں ایسا نہ کرسکی۔ ''یہ رنگ دیا ہے۔'' میں نے وہ انگوٹھی دکھادی جو مجھے فضہ نے گفٹ کی تھی۔ سلمان کی طرف دیکھا تو وہ بالکل بے تاثر چہرہ لئے بیٹھے تھے۔ میں تو سمجھی تھی میرے اس طرح بات بنانے پر وہ نادم ہوں گے مگر نہیں۔ وہ تو بڑے پرسکون تھے۔

ولیمے کی تقریب گھر کے وسیع وعریض لان میں منعقد کی گئی۔ براؤن اور فان کلر کے لہنگے میں میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ براؤن کلر کے ڈنر سوٹ میں سلمان بھی بے حد ڈیشنگ لگ رہے تھے۔ ان کی ہیزل براؤن آنکھیں اور کافی کلر کے بال سوٹ کی مناسبت سے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ جس نے بھی دیکھا ہماری جوڑی کو سراہا۔ ضویا اور ناجیہ مجھ سے 'روداد' سننے کو بے قرار تھیں۔

''ابھی نہیں، میرے کمرے میں چلنا۔ وہیں بتاؤں گی۔'' میں نے ٹالا۔

''تمہارے وہ 'اسٹون مین' ہمیں اندر آنے دیں گے؟ اگر باہر سے ہی کھڑے کھڑے 'نو انٹری' کا بورڈ دکھادیا تو۔'' میں مسکرادی۔ پھیکی سی مسکراہٹ تمام وقت میرے چہرے کا احاطہ کئے رہی۔ ایک ادھوری سہاگن بھلا کس طرح دل سے مسکراسکتی ہے۔ میرے جبڑے تھکنے لگے تھے۔ سلمان کچھ دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد جانے کہاں اٹھ کر چلے گئے تھے۔ ان کی یہ بے رخی اور یہ سرد مہر انداز میری سمجھ سے بالا تھا۔ اب تو مہر ثبت ہوچکی تھی کہ یہ شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے وگرنہ کوئی بھی شخص اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ اتنی سرد مہری نہیں برت سکتا۔

ولیمے کی تقریب تقریباً ختم ہوچکی تھی۔ اکا دکا مہمان رہ گئے تھے۔ میں ناجیہ اور ضویا کے ہمراہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''ہاں اب بتاؤ ذرا تفصیلات۔ ود آؤٹ سنسر۔'' نا[illegible] نے شوخی سے کہا۔

''ہائے اللہ کتنا بھاری دوپٹہ ہے، پانچ چھ کلو کا تو ہو[illegible] اور پھر یہ سیروں کے حساب سے زیور۔'' میں اس کی با[illegible] نظر انداز کرتے ہوئے زیور اتارنے لگی۔ دوپٹہ اتار کر ایک طرف رکھا۔ ویسے حقیقت بھی یہی تھی کہ مجھے ا[illegible] بھاری زیورات اور لباس سے الجھن ہورہی تھی۔

''تمہارے وہ اسٹون مین کیا سوچیں گے کہ ان کی دلہن اپنا عروسی روپ بگاڑے بیٹھی ہے۔'' ضویا نے کہا۔

''رہنے دو کل کا روپ ہی کافی تھا۔'' میں بے [illegible] سے زیور اتارتی رہی۔

''اچھا بتاؤ ناں کیسے ہیں سلمان بھائی؟''

''ٹھیک ہیں۔'' میں لاپروائی سے بولی۔

''بس صرف ٹھیک ہیں۔'' وہ دونوں حیران ہوئیں۔ اسی لمحے سلمان اندر داخل ہوئے۔ میری فرینڈز کو دیکھ کر وہ محض ایک لمحے کو رکے اور پھر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئے۔ ضویا اور ناجیہ ان کے چہرے کے سرد سے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کچھ بجھ سی گئیں۔ سلمان اب ڈریسنگ روم میں چلے گئے تھے۔

''زویب کا کیا حال ہے؟'' میں نے قصداً ٹاپک بدل دیا۔

''بہت پریشان ہے وہ بے چارا۔'' ناجیہ بھی دلگرفتہ ہوگئی۔

''ناجیہ! مجھے تو وہ بزدل لگتا ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا۔ [illegible] خاموش ہوگئی۔ سلمان اب باہر آچکے تھے۔

''اچھا مایا، ہم اب چلتے ہیں۔'' وہ دونوں چلی گئیں۔ میرا [illegible] سلمان کی طرف سے سخت کبیدہ خاطر ہونے لگا۔ کیا تھا [illegible] ذرا سی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کردیتے۔ میں غصے میں [illegible] وہیں بیٹھی رہی حتیٰ کہ وہ چینج کرکے بھی آگئے۔

''[illegible] سمیٹو یہ سب یہاں سے۔'' انہوں نے بیڈ پر پڑے [illegible] کی طرف اشارہ کیا۔ میرا جی نہیں چاہ رہا تھا' ان کی [illegible] بات ماننے کو۔ میں سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے [illegible] تو انہوں نے بڑی سختی سے میرا بازو دبوچ لیا۔

''[illegible] میں منہ سے صرف ایک بار کہتا ہوں، سمجھیں، اٹھاؤ [illegible] یہاں سے۔'' ان کی آنکھوں سے جھلکتی وحشت [illegible] سہم گئی۔ ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ میں نے [illegible] سمیٹنے۔

[illegible] میں زیورات ڈبوں میں رکھ کر پلٹی تو [illegible] پکارا۔ ''کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ فی الحال [illegible] میں کسی قسم کا کوئی چینج نہیں چاہتا۔ میں [illegible] روٹین لائف برقرار رکھنا چاہتا ہوں جو اس [illegible] سے پہلے تھی۔'' گویا شادی ان کی نظر [illegible] تھی۔ ''میں تمہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا

چاہتا، یہ شادی میری خواہش پر نہیں ہوئی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ بھی زبردستی کی گئی ہے۔ جب دلوں میں فاصلے ہوں تو......'' وہ ذرا کی ذرا رکے۔ ''میرا خیال ہے تم میری بات اچھی طرح سمجھ گئی ہو۔'' وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ میں سناٹوں کی زد میں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ خدشہ تو مجھے پہلے بھی تھا مگر اب ان کی باتوں نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ مگر مجھے ایک بات پریشان کررہی تھی کہ سلمان کو یہ غلط فہمی کس طرح ہوگئی تھی کہ میں اس شادی پر رضامند نہ تھی۔ یہی سب سوچتے سوچتے رات بیت گئی۔ رات بھر آنسو میرا تکیہ بھگوتے رہے تھے۔

OOO

سلمان کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ جانے مجھ سے ایسی کون سی خطا ہوگئی تھی جس کی سزا مجھے سلمان دے رہے تھے۔ دو ماہ گزرنے کے باوجود بھی مجھے بیوی کا وہ مقام نہیں مل سکا تھا جو شریعت کی رو سے میرا حق تھا۔ مجھے کبھی کبھی رونا آجاتا تھا اپنی قسمت پر، کیا اسی سرد مزاج اور بے حس شخص کو پانے کے لئے میں نے دن رات دعائیں کی تھیں۔ امی، ابو اور خالہ کو تو میں مسکرا مسکرا کر اپنے خوش ہونے کا یقین دلاتی تھی۔ بھلا روح پر لگے گھاؤ میں کسی کو کیسے دکھاسکتی تھی۔ شادی کے ایک ہفتے بعد ہم خالہ کے پاس رحیم یار خان بھی گئے۔ میں تو پندرہ دن وہاں رہی مگر سلمان دو دن بعد ہی واپس آگئے تھے' یہ کہہ کر کہ ان کے بزنس کا ہرج ہورہا ہے۔ جتنے دن میں وہاں رہی' سلمان نے ایک دن بھی فون نہ کیا۔

رحیم یار خان سے واپس آتے ہی میں نے گھر سنبھال لیا۔ میں سلمان کی ہر چیز وقت پر تیار کردیتی تھی۔ کھانا پکانا میں نے شادی کے بعد ہی سیکھا تھا۔ بڑی محنت سے میں مختلف ڈشز بناتی اور اسی انتظار میں رہ جاتی کہ سلمان تعریف کریں گے مگر وہ چپ چاپ کھانا کھا کر اٹھ جاتے اور میں دل مسوس کر رہ جاتی۔ سلمان صبح کے گئے رات کو لوٹتے، میں پاگلوں کی طرح پورے گھر کے چکر

کاٹتی پھرتی، گھر کے کاموں کے لئے ملازمہ تھی، میں تنگ آ گئی تھی اس بور زندگی سے۔ میں نے سلمان سے بات کرنے کا سوچا۔

"سلمان!" وہ سونے کے لئے لیٹنے لگے تو میں نے پکارا۔

"ہوں۔"

"وہ...... مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔"

"کہو۔"

"دراصل...... میں اپنی تعلیم دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو کیا پرابلم ہے، کرلو۔" وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں۔" میں نے تصدیق چاہی۔

"بھئی مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔" ان کے نرم لہجے پر میں حیران رہ گئی۔

دوسرے دن میں نے ابو سے کہہ کر بی اے کے فارم منگوا لئے۔ گھر میں دو گاڑیاں تھیں۔ ایک سلمان لے جاتے دوسری ڈرائیور کے پاس ہوتی تھی۔ میں ڈرائیور کے ساتھ ہی کالج آتی جاتی تھی۔ ناجیہ اور ضویا کے ساتھ میرا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔ مگر دو تین ماہ بعد ناجیہ کے ابو کا ٹرانسفر ہوگیا تو وہ مائیگریٹ کر گئی۔ ضویا بھی اپنے بھائی کے پاس اسلام آباد چلی گئی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں بہت بور ہوتی تھی مگر کیا کرتی۔ پڑھنا تو تھا۔ اس روز ڈرائیور مجھ سے دو دن کی چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ صبح تو اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا مگر اب واپسی کا مسئلہ تھا۔ مجھے سلمان کو بتانا یاد نہ رہا۔ پورا کالج خالی ہو چکا تھا۔ ایک بجے چھٹی ہوئی تھی اور اب تین بج رہے تھے۔ میں بیٹھی ڈرائیور کو کوس رہی تھی جب چپڑاسی نے کہا کہ مجھے لینے کوئی صاحب آئے ہیں۔ میں شکر ادا کرتی چلی آئی۔ سامنے ہی سلمان گاڑی لئے کھڑے تھے۔ وہ خاصے سنجیدہ لگ رہے تھے۔

"ڈرائیور کو تم نے چھٹی دی تھی؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"جی...... جی ہاں۔"

"تو کم از کم مجھے تو بتانا تھا۔" وہ غرائے۔

"مم...... مجھے یاد نہیں رہا تھا۔" میں سہم گئی...

انہوں نے سر جھٹکا۔

"یہ تو مجھے ملازمہ نے آفس فون کر کے کہا کہ... صاحبہ ابھی تک کالج سے نہیں لوٹیں۔ میں مصروف... ہوں بزنس کروں یا اپنی بیگم صاحبہ کو لے کر اسکول... کالجوں کے چکر کاٹتا پھروں۔" وہ سخت غصے میں... رہے تھے۔ "اتنی اہم میٹنگ چھوڑ کر آیا ہوں۔"

"تو نہ آتے اپنی اہم میٹنگ چھوڑ کر۔" میں بول... اٹھی۔ انہوں نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا مگر بو... کچھ نہیں۔ چندروز بعد میں کالج سے تھکی تھکی گھر... کہ سلمان کا فون آ گیا۔ فوراً دو لوگوں کا کھانا تیار کر... کہا۔ میں جل کر رہ گئی۔ مگر کیا کرتی، کرنا تو مجھے ہی... بڑی محنت سے چکن پلاؤ، کباب، قورمہ اور مکسڈ ویجی... بنائیں، سویٹ ڈش میں فروٹ ٹرائفل بنایا۔ سلمان... بار کسی کو گھر کھانے پر لا رہے تھے۔ میں نے جو بہتر... دیا۔ خود بھی شاور لے کر فریش ہوگئی۔ موسم کی منا... سے وائٹ اور اسکائی بلیو کاٹن کا سوٹ زیب تن... لائٹ سا میک اپ بہت سوفٹ لک دے رہا تھا۔... ابھی آئینے کے سامنے کھڑی اپنا تنقیدی جائزہ ہی... رہی تھی کہ سلمان آ گئے۔

"ہاں ماہا! کھانا تیار ہے؟"

"جی لگا دوں؟"

"آں...... ہاں تھوڑی دیر تک لگانا۔ تم بھی آ جاؤ... پرانا کلاس فیلو اور اس کی مسز ہیں۔" میں سلمان کے... پران کے پیچھے چل پڑی۔

"السلام علیکم بھابی۔" سلمان کے دوست... کھڑے ہوئے۔ میں نے سر ہلا کر گویا جواب د... خود ان کی مسز کے پاس جا بیٹھی۔ وہ بڑی خاموش خا... سی لگ رہی تھیں۔ کھانے کے دوران بھی وہ خاموش...

...یار سلمان! بیوی تجھے اچھی ملی ہے۔ بھابی آپ کے ...میں تو جادو ہے۔" ندیم بھائی کی تعریف پر میں بلش ...سلمان بھی دھیرے سے مسکرا دیئے۔ کھانے کے ...میں ملازمہ کے ساتھ برتن سمیٹ رہی تھی کہ سلمان

"ماہا! گیسٹ روم کھلوا کر ٹھیک کر دو۔ ندیم اور نازیہ ...کچھ دن یہاں رہیں گے۔"

"جی بہتر۔" مجھے جی حضوری کی عادت ہوگئی تھی۔ ...سلمان اور ندیم بھائی باتیں کر رہے تھے، میں نازیہ بھابی کو ...کر گیسٹ روم کی طرف چلی آئی۔

"بھابی، ندیم بھائی آپ کے رشتے دار تھے؟"

"جی...... ہاں وہ میرے کزن ہیں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"کتنا عرصہ ہوگیا ہے آپ کی شادی کو؟"

"پتا نہیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"جی؟" میں بے حد حیران ہوئی تھی۔ وہ شاید بات ...کے موڈ میں نہیں تھیں۔ میں انہیں گڈ نائٹ وش ...کرتے ہوئے باہر چلی آئی۔ سلمان اور ندیم کا سونے کا ...قطعی نہیں لگ رہا تھا۔ میں سارے دن کی تھکی ہوئی ...بستر پر پڑتے ہی مدہوش ہوگئی تھی۔ صبح میں ناشتہ ...بنانے کے لئے کچن کی طرف آ رہی تھی تو گیسٹ ...کے ساتھ والے کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ میں ...سوچا دیکھوں کون ہے اندر، کہیں میں رات کو بند کرنا ...تو نہیں گئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ندیم ...تاول شانوں پر ڈالے آئینے کے سامنے کھڑے شیو ...رہے تھے۔

"اوہ بھابی آ...... آپ۔" وہ بوکھلائے۔ "صبح بخیر۔"

"صبح بخیر۔" میں پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کمرے ...کیا کر رہے ہیں جبکہ ان کی بیگم ساتھ والے کمرے ...میں استراحت ہے، سب سے پہلا خیال جو میرے ...ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ شاید دونوں میاں بیوی کے ...ان کوئی جھڑپ ہوگئی ہے۔ کمرے کا حلیہ بتا رہا تھا کہ رات بھر کمرہ زیر استعمال رہا ہے۔ بیڈ کور شکن آلود تھا۔ کمبل بے ترتیب سا ہو کر بیڈ اور فرش پر پڑا تھا۔ بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر ندیم بھائی کی شرٹ پڑی تھی اور سائیڈ ٹیبل پر ان کا والٹ اور چابیاں دھری تھیں۔ میں نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا اور کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھا۔

"آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟"

"صرف چائے۔"

"اور بھابی؟"

"وہ...... وہ بھی چائے ہی لیں گی۔"

"اوکے۔" ناشتہ تیار کرنے کے دوران بھی میں وہ وجہ سوچتی رہی جس کی بنا پر ندیم بھائی اور نازیہ بھابی میں ان بن ہوگئی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد سلمان آفس جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے تو میں بھی پیچھے ہی چلی آئی۔ عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جب وہ آفس جانے کے لئے تیار ہوتے تھے تو میں کمرے میں نہیں جاتی تھی۔ میں اندر داخل ہوئی تو ٹائی کی ناٹ بناتے ہوئے ایک لمحے کو ان کے ہاتھ رکے اور پھر دوبارہ سے وہ اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔

"سلمان!"

"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

"لگتا ہے ندیم بھائی اور نازیہ بھابی کی لڑائی ہوگئی ہے۔" میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تم سے کس نے کہا؟" وہ خوشبودار ہیئر اسپرے بالوں پر چھڑکتے ہوئے بولے۔

"کسی نے نہیں، بس میں نے خود اندازہ لگایا ہے۔ اب دیکھیں ناں، میں ان سے ناشتے کا پوچھنے گئی تو میں نے دیکھا کہ ندیم بھائی گیسٹ روم کے بجائے ساتھ والے کمرے میں موجود ہیں اور......"

"دوسروں کے بارے میں اندازے لگانے چھوڑ دو۔ پہلے اپنے آپ کو سدھارو۔" ان کا حقارت آمیز لہجہ میری انا پر بھاری پتھر کی طرح لگا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟ آپ کہنا کیا چاہتے

ہیں۔'' ان کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے چھ ماہ ہونے کو آئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان سے اونچی آواز میں بات کی تھی۔

''میری زبان مت کھلواؤ تو بہتر ہے۔''

''میرے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے سلمان حیدر صاحب۔'' میرا لہجہ خود بخود تلخ ہوگیا۔ ''کبھی سوچا ہے آپ نے کہ یہ لڑکی جسے آپ اپنی بیوی بنا کر لائے ہیں، اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں، کچھ احساسات ہیں۔ کبھی خود سے آپ نے میری کسی ضرورت کا خیال کیا۔ کبھی یہ دیکھنے کی زحمت کی کہ کہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔'' میں جانے کیوں انہیں آئینہ دکھانے پر تلی ہوئی تھی۔ میں بے خوف جھگڑ رہی تھی مگر اس وقت مجھے احساس نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا بول رہی ہوں۔ بس جو منہ میں آرہا تھا' بولے چلی جارہی تھی۔ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا۔ اتنے دنوں کا لاوا تھا جو پھٹ پڑا تھا۔ میں نہیں جانتی' مجھے غصہ کیوں آ گیا تھا۔ شاید ان کے ہتک آمیز لہجے نے میرے دل میں لگی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔

''ماہا! گھر میں مہمان ہیں۔ تماشا مت بناؤ۔ وہ کیا سوچیں گے کہ میری بیوی......''

''بیوی؟ کیسی بیوی؟ کہاں کی بیوی؟ آپ تو شروع دن سے مجھے بیوی ماننے سے انکاری ہیں۔ آپ اس قابل کہاں کہ بیوی رکھ سکیں۔''

''شٹ اپ۔'' ان کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہکنے لگی تھیں' جبکہ ان کا بھاری ہاتھ میرے گال پر انگلیوں کے نشان ثبت کر گیا۔ وہ تن فن کرتے آفس چلے گئے۔ میں تکئے میں منہ چھپائے بے آواز روتی رہی تھی۔ مجھے افسوس ان کے تھپڑ کا نہیں بلکہ اپنے جذباتی پن کا تھا۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ کہ میں کتنی سطحی ذہنیت کی ہوں۔

''بیگم صاحبہ! آج کیا پکانا ہے؟'' ملازمہ کی آواز پر میں چونکی تھی۔ دکھتے سر کو سنبھالتے ہوئے میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ بہرحال گھر میں مہمان تھے اور میں اس [illegible] تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھی۔

دوپہر کا کھانا تیار کیا۔ شاور لے کر فریش ہوئی [illegible] کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ لی۔ اس وقت میرا جی چاہ [illegible] کہ اڑ کر امی کے پاس پہنچ جاؤں اور ان کی گود میں [illegible] خوب روؤں۔ غلطی میری اپنی ہی تھی۔ میں نے [illegible] چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ دوپہر کے کھانے پر [illegible] کی پرشکن پیشانی تمام وقت میری نظروں کے [illegible] رہی۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھنا تک گوارا [illegible] مہمانوں کی وجہ سے وہ خود پر کنٹرول کیے ہوئے [illegible] کھانے کے بعد میں کچن میں کھڑی تھی جب [illegible] آگئے۔

''کھانا پیک کر دو۔ ندیم اور بھابی تھوڑی دیر [illegible] جارہے ہیں۔'' وہ دیکھ سامنے کھڑی ملازمہ کی طرف [illegible] تھے مگر بات مجھ سے کر رہے تھے۔ ان کے تیور [illegible] خطرناک ہو رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں سہم گئی [illegible] کو ندیم بھائی اور نازیہ کے جانے کے بعد میں [illegible] بیٹھی تھی جب سلمان اندر داخل ہوئے۔ وہ بڑی [illegible] سے میرے مقابل بیٹھ گئے۔ میری تو روح فنا [illegible] تھی۔ ان کی یہ خاموشی خاصی پراسرار لگ رہی [illegible] میں مزید وہاں بیٹھنے کا یارانہ تھا۔ میں اٹھ کر جانے [illegible] انہوں نے پکار لیا۔

''رکو۔'' میرے بڑھتے قدم وہیں تھم گئے۔ میں [illegible] اس طرح ساکت کھڑی تھی کہ اگر پیچھے مڑ کر دیکھا [illegible] کی ہو جاؤں گی۔

''تم نے میرے گریز کا غلط مطلب لیا۔ ہماری [illegible] کو چھ ماہ ہونے والے ہیں۔ اس تمام عرصے میں [illegible] اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس رشتے کے تقاضے نبھانے [illegible] لئے تیار کرتا رہا ہوں۔ میں فیئر ڈیلنگ کا قائل ہوں [illegible] لئے اپنے سے منسلک ہر شخص کو فیئر دیکھنا چاہتا [illegible] میں آج تمہیں وہ بات بتا رہا ہوں جو میں پہلے [illegible] چاہتا تھا مگر اب حالات اور ہیں۔ مجھے معلوم

حقائق جب کسی صحافی کے قلم سے لکھے جاتے ہیں تو تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں

پاکستان کے سب سے بڑے اخبار روزنامہ جنگ کے

ادارتی صفحہ پر شائع ہونے والی منتخب تحریریں

اپریل ۱۹۹۵ء سے مئی ۱۹۹۷ء تک شائع ہونے والے کالموں کا

انتخاب

نقشِ قلم

مُشتاق احمد قریشی

(۱) جناب محمود شام، گروپ ایڈیٹر جنگ۔ مشتاق احمد قریشی خواص کے لیے نہیں، عوام کے لیے لکھتے ہیں۔

(۲) جناب حسنین کاظمی۔ مشتاق احمد قریشی کے فکر سفر میں جو تنوع ہے اپنی تحریروں میں وہ اس تنوع کے تقاضے برقرار رکھتے ہیں۔

(۳) سجاد میر، ایڈیٹر نوائے وقت کراچی۔ نقش قلم کے اوراق کھلے پڑے ہیں، میں ان کے کالم پڑھتا رہا ہوں۔

(۴) جناب مشفق خواجہ۔ میں قریشی صاحب کا مستقل قاری ہوں۔ ان کے کالم بہت ذوق وشوق سے پڑھتا ہوں۔

(۵) جناب ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی۔ طوفان میں رہ کر اس کا تجزیہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مشتاق قریشی نے اسی مشکل کو آسان کر دکھایا ہے۔

قیمت: ایک سو پچاس روپے

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز، احمد چیمبر، ڈاکٹر بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی۔

شادی سے پہلے کسی اور کو چاہتی تھیں۔'' ان کی آواز دھیمی مگر لہجے میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ ان کی آخری بات پر میں گویا کرنٹ کھا کر پلٹی تھی اور اپنی تحیر آمیز نگاہیں ان کے چہرے پر گاڑ دی تھیں۔

''تم یقیناً یہ سوچ رہی ہو کہ مجھے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔ میں نے دو تین بار نہ صرف تمہیں فون پر کسی زوہیب نامی شخص سے باتیں کرتے سنا تھا بلکہ اپنی فرینڈز کے ساتھ اس کا ذکر کرتے بھی سنا تھا۔ صرف اسی لئے میں تم سے شادی پر رضامند نہیں تھا۔ مجھے کراہیت آتی ہے ان لوگوں سے جن کے دل پر کوئی اور قابض ہو اور جسم کسی اور کی دسترس میں ہو۔ میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ صرف اسی لئے تم سے دور رہا اور تم اسے میری کمزوری گردانتی رہیں۔ جب دلوں میں فاصلے ہوں تو ظاہری فاصلوں کو پاٹنے کی کوشش محض بیوقوفی ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔ مجھے صفائی کا موقع بھی نہ دیا اور یہ زوہیب...... یہ کہاں سے ٹپک پڑا۔ میرے تو فرشتوں کو بھی اس شخص کا علم نہ تھا...... اور سلمان نے کہاں سن لیا مجھے زوہیب سے باتیں کرتے ہوئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ذہن میں پھندے سے بن رہے تھے اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

سلمان کا رویہ بدستور خراب تھا۔ میں نے بارہا اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار انہوں نے مجھے جھڑک دیا۔ پڑھائی میں بھی جی نہ لگتا تھا، سلمان صبح کے گئے رات کو آتے تھے۔ ایک ہی گھر میں ہم بالکل اجنبیوں کی طرح رہ رہے تھے۔

مجھ سے اب ان کی بے رخی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اب تو انہوں نے مجھ پر ایسا رکیک الزام لگایا تھا جس سے میں اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔ سلمان میرے ساتھ خوش نہیں تھے اور میں انہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ عجیب محبت تھی میری۔ میں ان کی نفرت اور سرد مہری کے باوجود ان کی خوشی کی خواہاں تھی۔ انیس بیس برس کی عمر میں ہی میری سوچیں خاصی میچور ہو گئی تھیں۔ میں اب مزید ان کی زندگی میں رہ کر انہیں خوشیوں سے محروم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں انہیں بتائے بغیر کالج سے واپسی پر امی کے گھر چلی گئی۔ سلمان کے کمرے میں ایک خط بھی چھوڑ گئی۔

''سلمان حیدر!

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ کبھی کسی کو زبردستی محبت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت میں یہ پڑھ کر ہنس دی تھی مگر اب...... اب مجھے احساس ہو گیا ہے کہ واقعی کسی کو محبت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ میں پاگل تھی جو سراب کے پیچھے بھاگتی رہی۔ میں نے سوچا تھا پتھر کو بھی محبت سے موم کیا جاسکتا ہے مگر...... خوشنما رنگوں والی تتلی کو صرف دور سے دیکھا جاسکتا ہے، پکڑنے کی کوشش کی جائے تو سب رنگ مٹ جاتے ہیں۔ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لئے آپ کی زندگی سے جا رہی ہوں۔ آپ نے مجھے سمجھنے میں بڑی غلطی کی۔ مجھے ساری زندگی اس بات کا دکھ رہے گا کہ آپ نے میرے کردار پر شک کیا۔ شاید آپ کبھی بھی میرے ان جذبات کو نہ سمجھ سکیں جو میرے دل میں آپ کے لئے ہیں۔ ضروری نہیں کہ محبت کا جواب محبت سے ملے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو محبت کے جواب میں محبت پاتے ہیں، میری دعا ہے آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ آپ کی ہاہا۔

میں آ تو گئی تھی مگر اسی کشمکش میں لگی رہی آیا، میرا یہ اقدام درست ہے یا غلط۔ امی اور ابو کو میں نے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ میں ان کے پاس سلمان کی اجازت سے رہنے آئی ہوں۔ رمضان شریف کا آغاز تھا۔ مجھے آئے ہوئے دس دن ہونے والے تھے مگر سلمان نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ میں باقاعدگی سے روزے رکھ رہی تھی۔ اس بار میں پورے خضوع وخشوع سے عبادت کر رہی تھی۔ رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا کہ اچانک ناجیہ چلی آئی۔ کافی عرصے بعد اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔

''تم کب سے میکے میں بیٹھی ہو؟'' وہ شرارت سے پوچھنے لگی۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی، میں تمہارے گھر گئی تھی تو تمہارے اسٹون مین سے ملاقات ہو گئی۔ گھر بھی خاصی ابتر حالت میں تھا اور تمہارے وہ بھی۔ میں نے تمہارا پوچھا تو کہنے لگے 'کافی عرصے سے میکے میں ڈیرہ جمائے بیٹھی ہیں۔''

''ہاں بس ایسے ہی...... تم سناؤ اسلام آباد سے کب آئیں؟'' میں نے بات بدل دی۔

''کل ہی آئی ہوں۔ بطور خاص تمہیں کارڈ دینے کے لئے۔'' شرمگیں سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

''کارڈ...... یو مین تمہاری شادی کا کارڈ۔'' میں ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

''ہاں۔''

''وہ...... زوہیب کے ساتھ......''

''ہاں۔'' وہ مسکرائی۔ ''آج کل وہ ماسکو سے آئے ہوئے ہیں تو......''

''تو امی ابا نے سوچا بچی کو ٹھکانے لگا دیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس کی بات اچک لی۔ ''ویسے تمہاری آنٹی مان کیسے گئیں جبکہ وہ تو زوہیب کے بڑے بھائی کے لئے......''

''زوہیب نے خود اسٹینڈ لے لیا اور بس...... ارے ہاں وہ کارڈ میں تمہارے ان کے ہاتھ میں تھما آئی ہوں۔ آنا ضرور۔''

''انہیں کیوں دیا، میں تمہاری دوست ہوں یا وہ۔''

''بھئی وہ میری دوست کے 'وہ' ہیں اور ان کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ ارے ہاں یاد آیا۔ سلمان بھائی کارڈ پر زوہیب کا نام پڑھ کر چونک سے گئے تھے۔''

''اچھا۔'' میں مری مری آواز میں بولی۔

''ہاں پوچھ رہے تھے 'وہ زوہیب کے بارے میں۔''

''ضویا کا کیا حال ہے؟'' میں نے جان بوجھ کر ٹاپک چینج کر دیا۔

''اس کی بھی منگنی ہو گئی ہے۔''

اعلیٰ تعلیم

تعلیم پانے آیا تھا میں اس خیال سے
شاید میرا شمار ہو اہل کمال میں
کیا کہیئے کیسے گزرے ہیں لندن کے چار دن
دو فیکٹری میں کٹ گئے، دو اسپتال میں
(ارم الیاس خانزادہ۔ ٹنڈو الہ یار)

''بہاولپور والے کے ساتھ؟''

''ہاں، آج کل اس کی نند امریکہ سے آئی ہوئی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ہی اس کی منگنی ہوئی ہے۔ مجھے اس نے فون کر کے بتایا تھا۔ اس نے تمہیں فون نہیں کیا؟''

''شاید کیا ہو۔ فون خراب تھا پچھلے دنوں، اور تم اپنی سناؤ......'' میں اس کے ساتھ باتوں میں لگ کر کافی حد تک بہل گئی۔

چاند رات کو خالہ، عاصمہ بھابی، عمران بھائی وغیرہ سب لوگ آ گئے۔ سب بڑی گرمجوشی سے ملے۔ خالہ میرے لئے بہت کچھ لائی تھیں۔ مگر سلمان کے بغیر مجھے یہ سب کچھ بیکار لگ رہا تھا۔ عاصمہ بھابی میری خاموشی کو سلمان کی غیر حاضری سے تعبیر کر رہی تھیں۔ وہ سب یقیناً لاعلم تھے۔ سلمان نے بھی میری طرح گھر والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

''ماہا بیٹا! سب لوگ موجود ہیں، فون کر کے سلمان کو بھی بلوا لو۔ جانے اس لڑکے کو کب عقل آئے گی۔'' خالہ کے کہنے پر میں پریشان ہو اٹھی۔

''اور کیا شادی کے بعد پہلی عید ہے اور موصوف گھر بیٹھے ہیں۔'' عاصمہ بھابی نے کہا۔ میں بری طرح پھنس گئی تھی۔ انہیں فون کر کے بلانا عذاب لگ رہا تھا۔

''بھابی۔'' میں نے عاصمہ بھابی کو ایک طرف اشارے سے بلایا۔

''وہ ایسا کریں، آپ انہیں فون کریں۔ میں ذرا شاور لے کر فریش ہو جاؤں۔'' مجھے اس وقت یہی بہانہ سوجھ سکا۔

''آہم، ان کے استقبال کی تیاریاں......'' عاصمہ بھابی معنی خیز انداز میں کھنکھاریں۔ میں نے مروتاً مسکراہٹ پاس کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ میں ڈر رہی تھی اگر سلمان نے آنے سے انکار کر دیا تو...... میں کس کس کو وضاحتیں دیتی پھروں گی۔ دس پندرہ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی اور عاصمہ بھابی اندر داخل ہوئیں۔

''ارے ماہا تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو۔''

''بھابی وہ...... بس......'' میں خجل سی ہو گئی۔

''چلو آؤ میں تمہیں تیار کروں۔''

''رہنے دیں بھابی۔'' میں نے ٹالنا چاہا۔

''ارے، ایسے کیسے رہنے دوں۔ پہلی عید ہے تمہاری میں تو تمہیں دلہن کی طرح سجاؤں گی۔'' وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔ میرون اور پیچ کنٹراسٹ کا آرگنزا کامدار سوٹ اور سوٹ کی مناسبت سے ڈارک میرون میک اپ، میں کافی عرصے بعد اس طرح تیار ہوئی تھی۔ اس لئے خاصا روپ چڑھا تھا۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر میں خود بھی شرما گئی تھی۔

''آج میرے دیور جی کی خیر نہیں۔'' عاصمہ بھابی نے کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں سرخ ہو گئی۔

''اوں ہوں۔'' کوئی اندر داخل ہوتے ہوئے کھنکارا تھا۔ عاصمہ بھابی اور میں چونک کر مڑے تو غیر متوقع طور پر سلمان کو موجود پایا۔ میرے چہرے کے تاثرات یکلخت سنجیدہ ہو گئے۔ عاصمہ بھابی شوخ سی مسکراہٹ پاس کرتی باہر کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے میں بھی باہر نکلنے لگی تو سلمان راہ میں آ گئے۔

''راستہ چھوڑیں پلیز۔'' میں بے حد سنجیدہ تھی۔

''اگر نہ چھوڑوں تو؟''

''آپ کے اور میرے راستے جدا جدا ہیں۔'' میں رخ موڑ گئی۔

''ان کو ایک بھی تو کیا جا سکتا ہے۔''

''پلیز، میں خوش فہمیوں کی دنیا سے نکل آئی ہوں۔''

''اور میں غلط فہمیوں کی دنیا سے۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولے۔

''مسٹر سلمان حیدر! اب آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟''

''اپنی بیوی۔'' وہ زیر لب مسکرائے۔

''آپ نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟'' میں جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھی۔ ان کا یہ پرسکون انداز مجھ میں جارحانہ پن بیدار کر رہا تھا۔

''بیوقوف۔'' وہ سکون سے گویا ہوئے۔

میں بے یقینی کی سی کیفیت میں انہیں دیکھے گئی۔ یہ وہ سلمان حیدر تو نہیں تھے جن کی بے رخی میں پچھلے سات آٹھ ماہ سے برداشت کرتی آئی تھی۔

''آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' میں مضبوط لہجے میں بولی۔

''تمہیں لے کر ہی جاؤں گا۔''

''نو وے۔'' میں نے دروازہ کھولنا چاہا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ میرے دائیں بائیں دروازے پر رکھ دیئے یوں کہ میں بالکل ان کے حصار میں آ گئی۔

''اتنی ناراضی، ویسے تمہیں حق حاصل ہے ناراض ہونے کا۔'' وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔ میں ان کے اس انداز پر پگھلنے لگی تھی۔ یکلخت آنکھیں چھلک اٹھیں۔ میں چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسک اٹھی۔ کافی دیر یونہی گزر گئی۔

''پلیز ماہا، بس کرو۔ میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔'' انہوں نے میرے چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو چپ ہو جاؤ، کوئی آ گیا تو کیا سوچے گا۔ دیکھو مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے روتی ہوئی لڑکیوں کو چپ کروانے کا۔''

''سلمان! آپ بہت برے ہیں۔ بہت برے۔'' میں آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''تھینک گاڈ۔''

''ہوں۔'' میں حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''میرا خیال تھا تم میرا سر پھاڑ دو گی۔''

''اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے مجھے۔'' میں نروٹھے پن سے بولی۔

''بھئی میں تو ٹھہرا اسٹون مین، تم تو باربی ڈول ہو۔'' وہ شرارت سے مسکرائے۔ میں ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

''آؤ، ادھر بیٹھو میں تمہیں بتاتا ہوں سب کچھ۔'' وہ میرا ہاتھ تھام کر مسہری پر جا بیٹھے۔

''بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نہ صرف خود کو پرفیکٹ سمجھتے ہیں بلکہ اپنے سے منسلک لوگوں کو بھی پرفیکٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور میرا شمار بھی اسی قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ فیکٹ ہے کہ کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ اچھے سے اچھے انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے اور مجھ میں یہ خامی ہے کہ میں کھوٹ برداشت نہیں کر سکتا چاہے وہ کسی چیز میں ہو یا انسان میں۔ ایک بار میں نے تمہیں اپنے ہی گھر میں کسی ...ب نامی شخص سے فون پر باتیں کرتے سنا۔ یکطرفہ گفتگو سے ہی میں نے الٹے سیدھے اندازے لگا لئے۔ اور مجھے اب اندازہ ہوا کہ خود سے ہی بنا سوچے سمجھے، بنا جانچ پڑتال کئے مفروضے قائم کر لینے والے لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں اور مجھ جیسے انا پرست لوگ تو ناقابل تلافی نقصان اٹھاتے ہیں۔ شکر ہے خدا کا کہ میں ناقابل تلافی نقصان اٹھانے سے بچ گیا ورنہ میں کوئی انتہائی قدم اٹھانے والا تھا۔'' وہ بڑی تفصیل سے ایک ایک بات کلیئر کر رہے تھے۔ میں چپ چاپ انہیں تکے جا رہی تھی۔ انہوں نے بات جاری رکھی۔ ''تھینکس ...، جس نے بروقت تمام صورت حال کلیئر کر دی۔ باتوں باتوں میں اس نے کالج کے زمانے کی ... شروع کر دیں اور یہ بھی بتایا کہ کس طرح تم لوگ ... دوسرے کو کزنز کے نام لے لے کر چھیڑا کرتی تھیں اور خاص طور پر تمہارے اسٹون مین کا ذکر بہت ہوتا تھا۔'' وہ شرارت سے مسکرائے تو میں جھینپ گئی۔ دل ہی دل میں ناجیہ کو ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

''تم بہت اچھی ہو ماہا، بیوی کے لئے میرے ذہن میں جو خاکہ تھا تم اس پر سو فیصد پوری اترتی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم پچھلی باتیں بھلا کر ایک خوشگوار زندگی شروع کریں۔ اینڈ لٹ می ٹیل یو ون تھنگ ماہا! تم میری زندگی کا سب سے خوبصورت اور قیمتی تحفہ ہو اور میں اپنی متاع حیات کو کھونا نہیں چاہتا۔''

کتنا خوبصورت اور مکمل اظہار تھا۔ میں تو سر سے پیر تک ان کی محبت کے خمار میں ڈوب گئی تھی۔ ''چلو شاپنگ کرنے چلتے ہیں۔ آج چاند رات ہے ناں، اسے اس طرح سیلیبریٹ کریں کہ یہ یادگار بن جائے۔'' سلمان نے یہ کہتے ہوئے دھیرے سے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ ان کے استحقاق بھرے انداز پر میں اپنے آپ میں سمٹتی چلی گئی۔

''جناب، چاند رات کو یادگار بنانے کا کام بعد کے لئے اٹھا رکھئے۔ فی الحال نیچے چلئے۔ عمران کافی دیر سے گاڑی میں بیٹھے آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔'' عاصمہ بھابی سلمان کا آخری جملہ سنتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھیں۔ انہیں اپنے اس اکھڑ اور لیئے دیئے رہنے والے دیور کو ستانے میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ میں لجا کر سلمان سے دور ہوئی تھی۔ عاصمہ بھابی ہماری کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے واپس مڑ چکی تھیں۔ سلمان نے میری طرف دیکھا اور میں نے ان کی طرف۔ پھر ہم دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ دل کا موسم کیا خوشگوار ہوا، گویا ہر شے پر نکھار آ گیا۔ سلمان کی سنگت میں میں نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ یہ میری زندگی کی سب سے خوبصورت اور یادگار عید تھی۔